اورنگزیب یوسفزئی

مارچ 2008ء

تین طلاق کا بھوت

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں　　　ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

مروجہ شریعت اسلامیہ میں طلاق کے قوانین کے ضمن میں تیسری طلاق یا تین طلاقوں کے نظریہ کا اطلاق اس صراحت و قطعیت کیساتھ کیا جاتا ہے اور اس سے منسلک حدود و قیود و شرائط کا اس قدر مفصل و پرہیبت بیان مسانیدِ ارشاد سے صادر فرمایا جاتا ہے کہ آج تقریباً تمام عالم اسلام میں ان موضوعہ تین طلاقوں پر ایمان کو سندِ قبولیتِ عام اور عقیدۂ راسخہ کا درجہ حاصل ہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اس قبولیت عامہ میں دونوں قطبین یعنی ایک طرف روایت پرست مقلدین و غیر مقلدین علماء اور دوسری جانب قرآن حکیم سے اکتساب کرنے کا دعویٰ رکھنے والے روشن خیال اسکالرز بھی شامل ہیں۔ اندریں حالات نہایت ہی مودبانہ انداز میں ایک سیدھا اور صاف سوال تمام اہل فکر و نظر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ:

"کیا قرآن حکیم میں کسی بھی مقام پر کسی بھی آیت کریمہ سے صراحتاً یا کنایتاً تیسری طلاق یا تین طلاقوں کا حکم یا قرینہ ملتا ہے؟ کیا آپ قرآن کریم کی کسی بھی آیت کریمہ کے متن میں طلاق کے ضمن میں تین یا تیسری کا لفظ ثابت کر سکتے ہیں؟"

جبکہ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے رہے کہ طلاق کا معاملہ ہمارے آقا و مالک نے اہم موضوعات میں سے باور فرماتے ہوئے اس کو تمام تر تفاصیل کیساتھ (کل شی فصلنہ تفصیلا 17/12 کے مصداق) بیان فرمایا اور کئی قسم کی طلاق کی الگ الگ نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ طلاق کی کاروائیوں کے دوران لین دین کے تقاضے اور مطالبے، افہام و تفہیم کے طور طریق اور امساک و تسریح کے انداز بھی واضح فرمائے۔ لیکن ساتھ ہی یہ حتمی فیصلہ بھی دیا کہ۔۔۔ الطلاق مرتان (2/230) یعنی طلاق 2 مرتبہ کی ہوتی ہے۔ پھر یہ تیسری طلاق کہاں سے اور کیسے وارد ہو گئی اور قرآنی فیصلے کے علی الرغم اجماع امت کا درجہ کیسے حاصل کر گئی؟

بادنیٰ تعمق یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس غلط العام کی ذمہ داری روایات پر ہی عائد ہوتی ہے اور اس کو اجماع امت کا درجہ دینا روایت پرست علمائے سلف ہی کی کارگزاری ہے جنکی سوچ و فکر کا غیر قرآنی ہونا آج کے علم و شعور نے ثابت کر دیا ہے۔ اسلامی فقہ کی تمام کتابیں صرف اور صرف قرآن کے آسان فہم احکام و قوانین کو دشوار بنا دینے کا کارگراں انجام دیتی رہی ہیں۔ غالب اکثریت علما و فقہائے سلف کی اور ائمہ محدثین، مجتہدین و مفسرین کی ایسی گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی منشاء تو تمہارے لئے آسانیاں پیدا کرنا ہے مشکلات پیدا کرنا نہیں) کی مخالفت کرتے ہوئے زندگیاں گزاریں اور خاک بسر ہوئے اور اب ان کا معاملہ اس احکم الحاکمین کے غالب و کارآفرین اور کارکشا و

کارساز ہاتھوں میں ہے۔ مقصود و مطلوب اس روش کے پس منظر میں یہ تھا کہ مذہبی معاملات میں اتنی مشکلات و ابہام پیدا کر دی جائیں کہ عامۃ الناس ان موضوعات کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈریں۔ کل اجارہ داری اور تمام تر تحکیم کا حق و اقتدار ان گرامی قدر صاحبانِ جبہ و دستار کے ہاتھوں میں آجائے۔ پس اپنے مشن میں کامیاب رہے اور آج کے دن تک ان عالی مقاموں کی موجودہ نسلیں قرآن حکیم کے ناکافی ہونے، غیر مفصل ہونے، نامکمل ہونے اور آساں کی بجائے مشکل ہونے کا پروپیگنڈا، قرآن کے واضح موقف کے علی الرغم، جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آخری فیصلہ اور حجت یہ حضرات قرآن کی بجائے اپنا ہی حق جانتے ہیں۔

البتہ یہ سوال پھر بھی تشنہ جواب رہ جاتا ہے کہ قرآن سے براہ راست اکتساب کرنے والے جدید دور کے ارتقاء یافتہ شعور کے مالک اسکالرز جن میں بڑے بڑے محترم القام نام شامل ہیں، کیسے اس روایات سے اخذ کردہ نتیجہ سے متاثر ہو کر اس نظریے کے دوام کا باعث بنے اور قرآن کے مفاہیم کو کھینچ تان کر اسی اجماع و تواتر سے مطابقت پیدا کرنے کی شعوری یا غیر شعوری کوشش کرتے رہے۔

اندریں حالات یہ ضرورت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس موضوع پر دوستوں کو ساتھ لیکر از سرِ نو تحقیق و تدبر کیا جائے اور اسلاف کی طول طویل اور بنیر ارکن موشگافیوں سے بچ بچا کر ہدایت کے اصل ماخذ سے اکتساب فیض کیا جائے۔ تو آیئے پہلے دیکھتے ہیں کہ یہ غلط العام کہاں سے اور کس تاویل کے ذریعے پیدا کیا گیا۔ دیکھیئے قرآن کریم کی جس آیت کریمہ سے تیسری طلاق کو ماخوذ کیا جاتا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

" فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ ۔۔۔۔ (2/230)

(پس اگر وہ مرد اُس عورت کو طلاق دے تو وہ عورت حلال نہیں رہی اُس مرد کیلیئے اُس کے بعد سے تا کہ (یہاں حتیٰ سببیہ ہے) وہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کرے / کر سکے)

اس ترجمہ کی تشریح کرنے سے قبل ہم یہ نکتہ بھی نوٹ کر لیں کہ یہاں لفظ "حتیٰ" کا معانی "یہانتک کہ" لے کر حلالہ کا جواز بھی پیدا کیا جاتا رہا ہے اور اس پر بھی اجماع امت اب تک موجود رہا تا آنکہ استاد الافاضل محترم خواجہ اظہر عباس فاضل درس نظامی نے "حلالہ" کے عنوان سے ستمبر 2006 کے طلوع اسلام کے شمارے میں تحقیق جدید سے حلالہ کے وجود ہی کو باطل و ساقط قرار دے دیا۔

اب ہم تین طلاقوں کے موضوع تک خود کو محدود کرتے ہوئے مذکورہ آیت کریمہ کی تحقیق کی طرف آتے ہیں۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہاں کس مرد اور کس عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیت ماقبل ہی میں سب سے پہلے فان طلقها کا فاعل و مفعول تلاش کرنا پڑیگا۔ مرجع ضمیر قریب میں نہ ملے تب ہی اس کی تلاش میں دور جانا لازم ہوگا۔ البتہ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ مرجع یا مشار الیہ یا معہود سامنے یا قریب موجود ہو اور آپ اسے نظر انداز کر کے دور چلے جائیں۔ وہ مفہوم جو قریب سے آسانی سے پیدا ہو رہا ہے اس سے قطع نظر دور جا کر دیگر مفہوم پیدا کرنے پر اصرار کریں صرف اس لیے کہ اس طریق سے کسی روایت کے بیان

کردہ مواد کا اثبات ہو رہا ہے۔اس مقام پر بعینہ یہی واردات وقوع پذیر ہوئی۔قریب میں موجود فان طلقھا کا فاعل ومفعول چھوڑ کر 55 الفاظ پیچھے جا کر اس طلاق کا سلسلہ الطلاق مر تان سے جوڑا گیا اور پھر اس کو زبردستی تیسری طلاق پر محمول کر دیا گیا اور یہ سلسلہ آج تک دوام حاصل کرتا چلا آتا ہے۔

اب دیکھیے فان طلقھا کا سلسلہ قریب ہی میں کسطرح نہایت موزونیت کیساتھ جڑ جاتا ہے اور ایک دوٹوک اور مختصر سچائی کی شکل اختیار کر لیتا ہے:۔

" فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به. تلک حدود الله فلا تعتدوها . ومن یتعد حدود الله فاولئک هم الظلمون . فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی ۔۔۔(2/230)

غور فرمائیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ دونوں میاں بیوی حدود اللہ کو قائم نہ کر پائیں گے تو اس ضمن میں دونوں پر گناہ نہ ہوگا کہ بیوی (علیحدگی کیلئے) شوہر کو مال کی ادائیگی کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو بھی اللہ کی حدود سے تجاوز کریگا وہ ظالموں کے زمرے میں ہوگا۔اس لئے اگر (مال لیکر) وہ شوہر اس بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس (خلع بالمال والی) طلاق کے بعد سے وہ عورت آئندہ اس مرد کیلئے حلال نہ رہی۔۔۔۔

یعنی یہ اُس طلاق کا ذکر ہے جو کہ عورت مجبور ہو کر مال ادا کر کے خریدتی یا حاصل کرتی ہے۔اور یہ طلاق تسریحی ہے اور ایک مرتبہ ہی میں وقوع پذیر ہو جاتی ہے اور امساک یا رجوع کا کوئی امکان نہیں رکھتی کیونکہ کوئی مدت عدت اس پر مقرر نہیں ہے۔اب فرمائیں کہ تیسری طلاق کا مفہوم اس جگہ کہاں سے نکلتا ہے؟ الطلاق مرتان سے اس مذکورہ خلع بالمال والی طلاق کا سلسلہ کیسے جڑتا ہے اور تین طلاقیں کیسے بن جاتی ہیں؟ بعد خلوص واحترام اصحاب فکر ونظر کو دعوت عام ہے کہ اپنی اپنی قرآنی آرا کا اظہار فرمائیں اور غلطی کی نشاندہی فرمانے کا اہتمام کریں۔

کیونکہ موضوع فی الوقت زیر تحقیق ہے اس لئے عامۃ الناس کی منفعت کیلئے طلاق کو اسکی تمام تر شقوں کے ساتھ مختصراً نہایت آسان اسلوب میں فہم کی آسانی کے مقصد کیساتھ قرآن کی روشنی میں بیان کر دیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے دو ہی قسم کی طلاقیں تجویز کی ہیں۔ایک قسم امساکی ہے جو عمومی یا زیادہ تر واقع ہونے والی طلاق ہے: ملاحظہ فرمائیں:۔

1۔ **الطلاق مرتٰن فامساک بالمعروف او تسریح باحسان۔(2/229)**

(طلاق 2 مرتبہ کی ہوتی ہے اس دو مرتبہ کے درمیان قاعدے کے مطابق بیوی کو روک لیا جائے یا بالآخر اسکو مالی طور پر متوازن کر کے رخصت کر دیا جائے)۔

2۔ واذا طلقتم النسآء فبلغن اجلھن فامسکو ھن بمعروف او سر حوھن بمعروف (2/231)

(اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ طلاق کی maturity (یعنی دوسری طلاق) تک پہنچ جائیں تو یا تو قاعدے کے مطابق ان کو روک لو یا قاعدے ہی کے مطابق رخصت کر دو)۔

3۔ والمطلقٰت یتر بصن بانفسھن ثلثة قروء۔(2/228)

(اور طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک اپنے بارے میں منتظر رہیں)

اس طلاق میں عدت بھی فرض ہے اور عدت کے دوران آخری وقت تک کسی بھی وقت رجوع بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔ یہی طلاق تعدد کی احتیاج بھی رکھتی ہے کیونکہ اس process میں پہلی طلاق عزمِ طلاق یعنی اظہارِ ارادہ طلاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کے بعد بھی عورت نکاح میں ہی رہتی ہے۔ عورت کا اس گھر پر اور گھر میں اپنی ضروریات سے متمتع ہوتے رہنے کا حق موجود رہتا ہے۔ بعد ازاں مدت عدت پوری ہو جانے پر اگر اس دوران امساک و رجوع نہیں ہوتا ہے تو پھر دوسری اور فائنل طلاق واقع ہو کر عورت گھر کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتی ہے۔ البتہ نکاح ثانی کا حق دونوں سابق زن و شوہر کو ہمہ وقت اور بغیر کسی شرط کے موجود ہوتا ہے۔ یہ عمل بار بار ہونے کی خصوصی صورت حال میں بھی کوئی حرمت کہیں سے بھی از روئے قرآن ثابت نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو مذاق نہ بنایا جائے۔

دوسری قسم تسریحی طلاق ہے جو ایک بار ہی دی جاتی ہے اس سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے اور عورت اپنے گھر سے جوابِ اُسکا نہ رہا رخصت ہو جاتی ہے۔ اس شکل میں کیونکہ عدت نہیں ہوتی جسکا انتظار و شمار کیا جائے اسلیئے رجوع بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ طلاق مخصوص ہے اولاً غیر ممسوسہ کیلئے یعنی وہ بیوی جسکو ہاتھ بھی نہ لگایا گیا ہو یا جس سے قربت کا تعلق قائم ہی نہ کیا گیا ہو اور طلاق کی نوبت آ جائے۔ ثانیاً مختلعہ کیلئے جو خود خاوند سے بیزار ہو چکی ہو اور طلاق طلب کرے۔ ظاہر ہے کہ خلع طلب کرنے والی امساکی طلاق کا کبھی مطالبہ نہ کرے گی۔ البتہ نکاح ثانی کا حق دونوں سابق زن و شوہر کیلئے موجود رہتا ہے۔ سوائے اس خاص صورت کے جو اوپر بیان کی گئی یعنی مال دے کر طلاق خریدنے والی عورت کی صورت میں جو کہ ارشاد خداوندی کے مطابق آئندہ کیلئے اس مرد کیلئے حلال نہ رہی جس نے طلاق دینے کیلئے مال طلب کیا اور وصول کیا۔ متعلقہ آیت کریمہ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

یا ایھا الذین آمنو اذا نکحتم المومنٰت ثم طلقتمو ھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدة تعتدو نھا فمتعوھن و سر حوھن سراحاً جمیلاً ۔(33/49)

(اے اہل ایمان جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر طلاق دے دو قبل اسکے کہ انہیں چھوا ہو تو اس صورت میں وہ تمہارے لئے عدت کی مدت گزارنے کی پابند نہیں ہیں۔ پس ان کو مالی فیض پہنچا کر خوبصورت طریقے سے رخصت کر دو)

طلاق کی اوپر بیان کردہ دونوں قسمیں مندرجہ ذیل تمام شکلوں کا احاطہ کرتی ہیں:۔

1۔ طلاق کی عمومی صورت جس میں شوہر کسی وجہ سے بیوی کو طلاق دیتا ہے۔

2۔ غیر ممسوسہ کی طلاق جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

3۔ ایسی طلاق جسمیں شوہر طلاق دے اور جو کچھ بیوی کو دیا ہے وہ سب یا کچھ کم وبیش واپس بھی لے لے۔

4۔ ایسی طلاق جو بیوی نے طلب کی ہو اس لئے کہ وہ اس شوہر کے ساتھ رہنا مزید پسند نہ کرتی ہو اور شوہر اس کی خواہش کی وجہ سے طلاق دیدے۔

5۔ ایسی طلاق جو بیوی نے طلب کی اور شوہر کے مطالبے پر اسکا دیا ہوا مال یا اپنے ذاتی مال میں سے کچھ دے کر طلاق حاصل کی (خلع بالمال)۔ یہی وہ طلاق ہے جسکے بعد عورت اس شوہر کیلئے حلال نہ رہی۔ اس طلاق کے بیان کو روایات کے زیر اثر تیسری طلاق پر زبردستی محمول کیا جاتا ہے۔ جبکہ قرآن سے ایسا کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا۔

واضح ہو کہ ایسی کوئی بھی طلاق قرآن کی رو سے ثابت نہیں کہ شوہر اپنی ممسوسہ بیوی کو بغیر اسکے مطالبے کے طلاق دیدے اور طلاق دیتے ہی بیوی اس پر حرام ہو جائے۔

اور ایسی بھی کوئی طلاق نہیں کہ عورت طلاق کے بعد عدت گزارتی ہو اور شوہر کو عدت کے آخری لمحے تک امساک یعنی رجوع کا حق باقی نہ ہو۔

ایسی بھی کوئی طلاق نہیں کہ جسکا اطلاق ہو جانے کے بعد وہی سابقہ شوہر اور بیوی دوبارہ نکاح ثانی نہ کر سکیں سوائے اس طلاق کے جو ہمارا اصل موضوع ہے اور جسکا صراحت سے ذکر کر دیا گیا ہے اور جو خلع بالمال کی تعریف میں آتی ہے۔

ضمنی طور پر یہ بھی جان لیتے ہیں کہ:۔

1۔ کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہدے کہ وہ اس پر ماں کی طرح حرام ہے (ظہار) تو بھی قرآن حکیم اسکو طلاق قرار نہیں دیتا۔ پہلی مرتبہ ایسا کرنے والا توبہ کرلے۔ دوبارہ ایسا کرنے والا کفارہ ادا کردے جو آیت 58/1-4 میں بیان کر دیا گیا ہے۔

2۔ کوئی شوہر بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے (ایلاء) تو قرآن حکیم اسے بھی طلاق قرار نہیں دیتا بلکہ آسانی پیدا فرماتا ہے۔ یعنی شوہر 4 ماہ تک بیوی سے الگ رہنے کی سزا برداشت کرے پھر بیوی کے پاس جاسکتا ہے۔ اگر ایسا نہ کرے تو امساک یا رجعی طلاق واقع ہوگی۔ یعنی معاملہ اُس معروف طریقہ عدت وامساک و رجوع کی طرف آجائیگا۔ ملاحظہ فرمائیں آیت 2/226-7۔

ان دونوں موضوعات پر بھی اور بحیثیت مجموعی طلاق کے معاملے پر ہمارے علمائے کرام نے طلاق کے بیسیوں صیغے نکال رکھے ہیں۔نئی نئی متعدد قسم کی (غیر قرآنی) طلاقیں بیان کردی ہیں جن کے منہ سے نکالتے ہی بیوی آپ پر حرام۔پھر طلاق بائنہ، طلاق مغلظہ ،خلع ،پہلا طہر، دوسرا طہر، حلالہ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ اقبالؒ کی اصطلاح میں روایات کی خرافات ہیں اور دین کی فہم کو انتہائی مشکل بنا کر تحکیم کا حق صرف اپنے لئے مخصوص کر لینے کی کوششیں ہیں۔

یہ پیران کلیسا و حرم اے وائے مجبوری

صلہ ان کی کدوکاوش کا ہے سینوں کی بے نوری

بات ختم کرنے سے قبل حلالہ کے مفروضے پر بھی ایک پیراگراف لکھنے کی جسارت کرتا ہوں۔امید ہے اختلاف رائے کا حق عنایت کرتے ہوئے تھوڑا سا وقت اور نکال کر تفہیم کی کوشش فرمائینگے۔ بہت شکر گزار ہونگا۔شروع پھر آیت کریمہ زیر تحقیق سے ہی کرتا ہوں کیونکہ انتہائی حکمت کے موتی اپنے اندر رکھتی ہے اور تبیان الحق کا فریضہ نہایت کمال سے ادا کرتی ہے:۔

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره فان طلقها فلا جناح علیهما ان یترا جعا (2/230)

"پس اگر وہ شوہر اس بیوی کو طلاق دیتا ہے (یہ خلع بالمال ہے جو پوری وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے) تب وہ بیوی اس شوہر پر ہمیشہ کیلئے (من بعد) حلال نہ رہی۔تا کہ / بسبب اسکے کہ وہ عورت اب اس شوہر کے علاوہ دوسرے مرد سے شادی کرے اور اگر وہ (دوسرا) شوہر اسکو طلاق دیدے تو انہی دونوں زن و شوہر پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ دونوں رجوع کر لیں"

نوٹ فرمایئے لفظ رجوع یہاں تفہیم کی کلید ہے رجوع اسی سے ہوتا ہے جو ایک طلاق کے بعد عدت کی مدت کے دوران شوہر ہی رہتا ہے اور امساک و رجوع کا حق رکھتا ہے۔اسلئے رجوع کے فاعل تثنیہ کے صیغہ کیساتھ وہی دونوں میاں بیوی ہیں جن میں اب طلاق ہوئی ہے۔ پرانے شوہر کا یہاں کیا کام کہ وہ تو خلع بالمال دیکر بیوی کو اپنے آپ پر حرام کر ہی چکا ہے اور خدا جانے کتنے طویل برس اس علیحدگی پر گزر چکے۔ بالفرض محال اگر اس بیوی کی واپسی پرانے شوہر کی طرف ہی حلالہ کے ذریعے ہوتی تو کیا وہ عمل نکاح کے ذریعے نہیں ہوتا؟ وہ رجوع کیسے اور کس قاعدے و قانون کے تحت ہوتا؟ پس صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کیلئے !!!!

آخر میں عرض گزار ہوں کہ قرآن کریم ایک کوہ گراں ایک حقیقت ثابتہ ہے۔اس سے ٹکرانے والے ہر باطل کا مقدر پاش پاش ہو جانا ہے خواہ وہ تواتر ہو یا اجماع، روایات کی ہزار ہا انسانی کتابیں ہوں، فلسفہ کی حجتیں ہوں یا علم الکلام یعنی منطق کی موشگافیاں۔اس میں تدبر تفقہ اور تحقیق کرنا ہر انسان کا فریضہ قرار دیا گیا ہے اور 55 علوم پر دسترس رکھنے کی کوئی شرط لاگو نہیں ہے۔صراحت کیساتھ دعوت عام دیکر فرمایا گیا ہے۔"**ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر**"۔(54/17) پھر

اس دعوت سے منہ موڑنے والوں کو وارننگ بھی دی گئی ہے کہ "ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکاً و نحشرہ یوم القیامۃ اعمی" (20/124)

نہ فلسفی سے نہ ملا سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ ونظر کا فساد

(مقالہ زیر نظر کی تحقیق وترتیب میں محدث العصر علامہ تمنا عمادی مرحوم ومغفور کی کتاب "**الطلاق مرتان**" سے بھی مدد لی گئی)